تقریظ

از استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا محمد اسماعیل رضوی ضیائی مدظلہ العالی

رئیس دارالافتاء و شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم ومکرم مولانا ندیم اقبال صاحب کا تالیف کردہ رسالہ بعنوان **جدید عصری مسائل کا شرعی حل** متعدد مقامات سے پڑھا جوابات دُرست پائے۔ فتاویٰ جات آیات قرانی واحادیثِ مبارکہ کے دلائل سے مزین ہیں۔ مفتیان عظام کے استنباط کردہ مسائل کے مطابق ہیں۔ اُمید ہے کہ بینکنگ سے متعلق مسائل میں رسالہ بہت مفید ثابت ہوگا۔ مولانا کی سعی کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مقبول عام وخاص فرمائے۔ آمین

فقط **محمد اسماعیل** خادم الحدیث

دارالعلوم امجدیہ، کراچی

پیش لفظ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قال یاتی علی الناس
زمان لا یبالی المرء ما اخذ منه امن الحلال ام من الحرام (بخاری)

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رِوایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا
لوگوں پر ایسا وَقت آجائے گا کہ انسان اپنے ذرائع آمدنی کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا کہ حلال ہے یا حرام۔

رِزق کے متعلق سب سے پہلے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو خوب اچھی طرح یقین دلایا ہے کہ دُنیا اور اس کی تمام اشیاء کا مالک ایک اللہ ہے۔ یہ مال و دولت میں میرا تیرا کسی کا نہیں صِرف خدا کا ہے، رزق کی کشائش اور تنگی دونوں کام خدا کے ہیں اور حکمت سے ہیں۔ روزی کمانا دراصل انسانی زندگی کی ضروریات سے ہے اور شرعاً وعقلاً ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنی زندگی کی ضروریات کی تکمیل اور اِصلاح کیلئے حصول رزق کیلئے کوشش کرے، آج کل کے بہت سے اچھے خاصے دِیندار لوگوں میں بھی معاملات یعنی خرید وفروخت، امانت، قرض، نوکری اور مزدوری کی اصلاح کا اتنا اہتمام نہیں جتنا کہ ہونا چاہئے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت لوگ جن کی حالت نماز، روزہ وغیرہ عبادات کے لحاظ سے کچھ غنیمت بھی ہے کاروبار ان کے بھی پاک نہیں ہیں حالانکہ کاروبار کی پاکی اور معاملات کی صحت کے شعبہ کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ اس کا تعلق بیک وقت اللہ کے حق سے بھی ہے اور بندوں کے حقوق سے بھی، نماز روزہ وغیرہ عبادات اگرچہ رکن دین ہیں اور ایک حیثیت سے ایمان کے بعد انہیں کا درجہ ہے مگر کوئی شخص ان میں کوتاہی کرتا ہے تو صرف خدا کا مجرم ہوتا ہے پھر اگر سچے دل سے توبہ واستغفار کی جائے تو بارگاہِ خداوندی سے اس جرم کی معافی کی اُمید ہے لیکن اگر لین دَین میں خیانت واقع ہوجائے اور حصول رزق کیلئے ناجائز ذرائع کو اختیار کیا جائے تو اس طرح اللہ عزّ وجل کی نافرمانی بھی ہوگی اور کسی نہ کسی بندے کی حق تلفی بھی اور یہ بات ڈبل جرم قرار پائے گی۔ نفس کی خواہش عموماً یہ ہوتی ہے کہ جھوٹ سچ اور جائز ناجائز کا لحاظ کئے بغیر جیسا موقع ہو اور جس طرح بھی مال کی اُمید ہو کر گزرا جائے۔ اسلام نے حصول رزق سے متعلق عدل وانصاف پر مبنی جو اُصول مقرر کیا ہے وہ ایک ایسی مرکزی حیثیت کا حامل ہے کہ جس کو پیش نظر رکھ کر ہم یہ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ حصول رزق کے ذرائع میں سے کون سا ذَریعہ حلال اور جائز ہے اور کون سا ناجائز وحرام۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے باطل طریقے سے مال کو کھانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا،

یا ایھا الذین اٰمنو لا تاکلوا اموالکم بینکم باالباطل

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔

یہ آیت لین دین کے متعلق ایک اصولی حیثیت رکھتی ہے اور لین دین کے ان طریقوں کو جو ایمانداری کے خلاف ہیں اور جن کی کوئی حد نہیں ایک لفظ باطل سے بیان کر دیا، یعنی کوئی چیز خواہ دھوکہ وفریب، ظلم و جور سے لی جائے یا چوری اور غصب، رشوت اور خیانت وسود کے ذریعہ حاصل کی جائے غرضیکہ جس ناجائز طریقہ سے بھی دوسرے کا مال لیا جائے اس آیت کے عموم و اطلاق کے اندر داخل ہے۔ حرمت سود پر احادیثِ مبارکہ بڑی کثرت سے وارد ہیں۔

حدیث ۱ ...... لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اکل الربوا و موکلہ و کاتبہ و شاھد یہ و قال ھم سواء (صحیح مسلم باب الربوا) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود لینے سود دینے سود لکھنے والے اور سود کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ وہ سب (اس جرم میں) برابر ہیں۔

حدیث ۲ ...... لیاتین علی الناس زمان لا یبقی منھم احدا لا اکل الربا فان لم یا کلہ اصابہ من بخارہ و غبارہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ سود خوار ہو جائیں گے اگر خود کوئی سود نہ کھائے تو اسے بھی سود کا غبار پہنچے گا۔

حدیث ۳ ...... و ذالك بان یکون موکلا او شاھدا او کاتبا او ساعیا او اکل من ضیافتہ او ھدیتہ اس کے بخار پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ سود دے یا اس کا گواہ بنے یا کاغذ لکھے یا دینے دلانے کی کوشش کرے یا اس کی ضیافت یا ہدیہ میں سے کھائے۔ یعنی سود خوار کے یہاں ضیافت کھانا بھی اس کا بخار پہنچنے کا سبب ہوتا ہے۔

شریعتِ مطہرہ نے جہاں سود کو حرام قرار دیا ہے وہاں تجارت اور جائز طریقہ سے نفع کمانے کی حوصلہ افزائی کی ہے سود کی لعنت سے بچنے اور جائز منافع کی ایک بہترین صورت مضاربت ہے جس کی شرعاً اجازت دی گئی ہے اسی طرح شراکت، مرابحہ، استصناع، اجارہ وغیرہ کی صورت میں شریعت نے متبادل فراہم کر دیا ہے مضاربت میں ایک شخص کا سرمایہ ہے اور دوسرا شخص اس پر محنت کرتا ہے نفع میں آدھے یا تہائی حصہ کا معاہدہ کرلیا جائے تو یہ منافع جائز اور حلال ہوگا اس صورت میں جتنا منافع ہوگا اسی تناسب سے خرچ کرنے والے کو حصہ ملے گا بینک سود کے بجائے مضاربت کا طریقہ رائج کرے تو سود کی لعنت سے بچا جا سکتا ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ **کفل الفقیھہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم** میں تفصیل سے سود سے بچنے اور حلال طریقہ سے کاروبار کے ذرائع کی وضاحت فرمادی ہے۔

ہمارے ملک کے علاوہ دُنیا بھر میں اسلامی بینک کے نظام کو تیزی کے ساتھ متعارف کروایا جا رہا ہے اگر چہ یہ ایک اچھا اور قابل تعریف امر ہے۔لیکن اس سسٹم میں ابھی کچھ خرابیاں موجود ہیں جن کا دُور کیا جانا از حد ضروری ہے بینکنگ صنعت خلوص اور اچھے اِرادے کے ساتھ سودی نظام کو ختم کرنے کی نیت سے صحیح طریقے پر اسلامی طریقے کے مطابق بینکنگ کریں تو بہت جلد سودی نظام سے نَجات حاصل کی جاسکتی ہے۔حکومت پاکستان اسلامی بینکاری کے فروغ کیلئے پچھلے تین سالوں سے کافی کوششیں کر رہی ہے اوراس سلسلہ میں کافی تیزی سے کام ہورہا ہے۔اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے اسلامک بینکنگ برانچز کی دیکھ بھال کیلئے کہ آیا بینک شرعی اُصولوں کے مطابق بینکنگ کر رہے ہیں یا نہیں شریعہ ایڈوائزر کے تقرر کو لازمی قرار دیا ہے۔عوام الناس کو چاہیئے کہ اگر بینک اسلامی طریقے کے مطابق کام کر رہا ہے تو ایسے بینک کے ساتھ تعاون کریں اور سودی نظام کو ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔اس لئے کہ شرعی احکام کا دارومدار ظاہر پر ہے باطن کی چھان پھٹک کرنا یا یہ گمان کرنا کہ فلاں سودی کام کر رہا ہے یہ بدگمانی ہے اور بدگمانی سے احتراز کا حکم دیا گیا ہے۔چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

یا ایہا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم

اے ایمان والو! بہت زِیادہ گمان سے پرہیز کرو اس لئے کہ بعض گمان گناہ ہیں۔

سُود سے بچنے کی صورتیں

شریعتِ مطہرہ نے جس طرح سود لینا حرام فرمایا اس طرح سود دینا بھی حرام کیا ہے۔ حدیثوں میں دونوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا دونوں برابر ہیں۔ آج کل سود کی اتنی کثرت ہے کہ قرض حسن جو بغیر سودی ہوتا ہے بہت کم پایا جاتا ہے دولت والے کسی کو بغیر نفع روپیہ نہیں دینا چاہتے اور حاجت مند اپنی حاجت کے سامنے اس کا لحاظ بھی نہیں کرتے کہ سودی روپیہ لینے میں آخرت کا کتنا عظیم وبال ہے اس سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

یہ سوال پیش نظر ہے کہ جب سودی قرض نہ لیا جائے تو بغیر سود قرض کون دے گا پھر ان دُشواریوں کو کس طرح حل کیا جائے اس کیلئے ہمارے علمائے نے چند صورتیں ایسی تحریر فرمائی ہیں کہ ان طریقوں پر عمل کیا جائے تو سود کی نجاست ونحوست سے پناہ ملتی ہے اور قرض دینے والا جس ناجائز نفع کا خواہشمند تھا۔ اس کیلئے جائز طریقہ پر نفع حاصل ہوسکتا ہے۔

صرف لین دَین کی صورت میں کچھ ترمیم کرنی پڑے گی مگر ناجائز وحرام سے بچاؤ ہوجائے گا۔ شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ دِل میں جب یہ ہے سو(۱۰۰) دے کر ایک سودس(۱۱۰) لیئے جائیں پھر سود سے کیونکر بچے۔ ہم اس کیلئے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ شرع مطہرہ نے جس عقد کو جائز بتایا وہ محض اس تخیل سے ناجائز وحرام نہیں ہوسکتا۔ مثلاً اگر روپے سے چاندی خریدی اور ایک روپے کی ایک روپیہ بھر سے زائد لی تو یہ یقیناً سود وحرام ہے۔ صاف حدیث میں تصریح ہے، الفضة بالفضة مثلاً بمثل یدا بید والفضل ربوا اور اگر مثلاً ایک گنی جو پندرہ روپے کی ہو اس سے پچیس روپے بھر یا اور زیادہ چاندی خریدی یا سولہ آنے پیسوں کی دو روپیہ بھر خریدی اگر چہ اس کا مقصد بھی وہی ہے کہ چاندی زیادہ لی جائے مگر سود نہیں اور یہ صورت یقیناً حلال ہے۔ حدیث صحیح میں فرمایا، اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم معلوم ہوا کہ جواز وعدم جواز نوعیت پر ہے عقد بدل جائے گا حکم بدل جائے گا۔ اسی وجہ سے امام قاضی خان اپنے فتاوٰی میں سود سے بچنے کی صورتیں تحریر فرماتے ہیں۔

و مثل ھٰذا روی عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ امر بذالک

۱......ایک شخص کے دوسرے پر دس روپے تھے اس نے مدیون سے کوئی چیز ان دس روپوں میں خرید لی اور مبیع پر قبضہ بھی کرلیا پھر اسی چیز کو مدیون کے ہاتھ بارہ روپے میں ثمن وصول کرنے کی ایک معیار مقرر کر کے بیچ دیا اب اس کے اس پر دس روپے کی جگہ بارہ روپے ہوگئے اور اسے دو روپے کا نفع ہوا اور سود نہ ہوا۔ (بہارِ شریعت بحوالہ خانیہ)

۲......سود سے بچنے کی ایک صورت بیع عینہ ہے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا بیع عینہ مکروہ ہے کیونکہ قرض کی خوبی اور حسن سلوک سے صرف نفع کی خاطر بچنا چاہتا ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اچھی نیت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ بیع کرنے والا ثواب کا مستحق ہوگا اسلئے کہ وہ سود سے بچنا چاہتا ہے۔ مشائخ بلخ نے فرمایا بیع عینہ ہمارے زمانے کی اکثر بیعوں سے بہتر ہے۔ بیع عینہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے مثلاً دس روپے قرض مانگے اس نے کہا میں قرض نہیں دوں گا البتہ یہ کرسکتا ہوں کہ یہ چیز تمہارے ہاتھ بارہ روپے میں بیچتا ہوں اگر تم چاہو خرید لو، اسے بازار میں دس روپے میں بیچ دینا تمہیں دس روپے مل جائیں گے اور اسی صورت سے بیع ہوتی، بائع نے زیادہ نفع حاصل کرنے اور سود سے بچنے کا یہ حیلہ نکالا کہ دس کی چیز بارہ میں بیچ دی۔ لہٰذا ان طریقوں کے مطابق خرید و فروخت کر کے سود کی لعنت سے بچا جاسکتا ہے اور جائز و حلال نفع حاصل کر کے دِین و دُنیا دونوں میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو رزق حلال کمانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عصر حاضر میں کاروبار سے متعلق لوگوں کو پیش آنے والے چند جدید مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کیا گیا۔ بعض حضرات کے اِصرار پر اس کو کتابی شکل دی گئی ہے اُمید ہے کہ کاروباری حضرات کیلئے خصوصاً اور عوام کیلئے عموماً اپنے ذرائع آمدنی کو جائز کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہوگا۔

ابو لانواز ندیم اقبال سعیدی

نوٹ کا مسئلہ بڑا معرکۃ الآراکل بھی تھا جس کی وجہ سے **کفل الفقیہہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم** جیسی عظیم کتاب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی تھی جس نے فقہاعرب وعجم کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا اور اپنے تو اپنے غیروں نے بھی مصنف کی عظمت وجلالت تسلیم کی تھی اور آج پھر اسی نوٹ کے حوالے سے نئے نئے سوالات اُبھر رہے ہیں اس سلسلے میں مندرجہ ذیل سوالوں کے جامع جواب کی ضرورت ہے۔

سوال ۱ ......نوٹ کی حیثیت کیا ہے؟ سیّدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ نے نوٹ کی حیثیت متعین کرنے کیلئے مال کی چوتھی قسم کا اضافہ فرمایا اور وہ ہے اِصطلاح وعدم اصطلاح صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ نے بہارِ شریعت یازدہم میں نوٹ کو ثمن اصطلاحی لکھا اور اس کا حکم کھوٹے روپے اور پیسوں کا بتایا مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ روپے اور پیسے گھس جانے اور کھرچ جانے کے باوجود اگر چہ قیمتاً کم ہوجاتے تھے مگر بالکل بے قیمت نہیں ہوتے تھے اور آج کے موجود نوٹ اس سے مختلف ہیں صدرالشریعہ نے بھی یہی تحریر فرمایا بعض لوگ جو کمی بیشی ناجائز جانتے ہیں اسے چاندی تصوُّر کرتے ہیں...... تحقیق حق کیا ہے؟

سوال ۲ ...... یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ امریکن ڈالر، انڈین نوٹ سے مختلف ہے مگر ایک ہی ملک کے نوٹ آپس میں متحدالجنس ہیں اسلئے کہ جنس کی تعریف بہار شریعت میں یہ مذکور ہے 'دونوں چیزوں کا ایک نام اور ایک کام ہو' لہٰذا ایک ہی ملک کے نوٹ آپس میں متحدالجنس ہوئے جب ہم جنس ہوئے اور مکیلی یا موزونی نہیں تو ایک وصف کے معدوم ہونے کی وجہ سے اگر چہ زیادتی جائز مگر اُدھار حرام ہونا چاہئے جیسا کہ کتب فقہ میں ہے **اذا وجد احدھما وعدم الاخر حل التفاضل و حرم النساء** مگر فتاویٰ رَضَویہ شریف ہفتم، ص ۱۲۱ پر یہ مذکور ہے......'سو روپے یہ لینا چاہتا ہے اور سال بھر کا وعدہ ہے اور یہ دینے والا نفع لینا چاہتا ہے تو سو کا نوٹ اس کے ہاتھ ایک سال کے وعدہ پر مثلاً ایک سو بارہ روپے کو بیچے پھر اگر وہ سال کے اندر مثلاً چھ مہینے میں روپیہ دے دے تو صِرف ایک سو چھ لے اسے زیادہ لینا حرام ہے۔

سوال ۳ ......قرض کے بجائے بیع کے ذریعہ نوٹ سے نوٹ کی خرید وفروخت کمی بیشی کے ساتھ جب جائز ہے نقدی ہو یا اُدھار ہو تو اس مسئلہ کو مزید مبرھن اور واضح کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ جس طرح ایک کلو کھجور کی بیع دو کلو کھجور سے دُرست نہیں ہے اسی طرح دس روپے کا نوٹ سو روپے میں بیچنا بھی درست نہیں ہے۔

سوال ٤ ...... جب مال کی بنیاد پر اور ثمن اصطلاحی ہونے کی وجہ سے اس کی خرید و فروخت کمی بیشی کے ساتھ اور اُدھار بھی جائز تو مالدار مسلمانوں کو یہ مشورہ دینا چاہئے کہ وہ اپنا بینک کھولیں اور اس میں قرض کے بجائے تجارت کے طور پر پیسے کا لین دین کریں حکومتیں اگر سود کے نام پر زیادہ رقمیں لیتی ہیں تو مسلم بینک مسلمانوں کے مفاد کیلئے کم نفع پر کام کریں اور جب مال اور ثمن بنیاد ہے تو اس میں مسلم و کافر اور دارالحرب و دارالاسلام کی بھی کوئی قید نہیں ہونی چاہئے بینکوں کے حوالے سے اب تک جو گفتگو کی جاتی تھی اس کی بنیاد عموماً یہ حدیث ہوتی لا ربوا بین المسلم و الحربی فی دارالحرب۔

سوال ٥ ......نوٹ کے بارے میں مولوی عبدالحی لکھنوی اور رشید احمد انجھانی وغیرہ کے فتاوی پہلے مختلف تھے مگر کفل الفقیہ الفاہم کی تصنیف کے بعد سب کو سوائے تسلیم کے چارہ نہ رہا اور آج تک سبھی اس پر عمل پیرا ہیں اس سلسلے میں ان کی کتابوں سے بھی چند حوالے مل جائیں تو یہ ثابت ہوجائے گا کہ نوٹ کے معاملہ میں ان کے مخدوم الکل اور مطاع عالم بھی ہمارے امام سیّدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متبع و خوشہ چین ہیں آج تک کسی کو کفل الفقیہ کے ردّ کی جرأت نہیں ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ سب کو تسلیم ہے۔

آج مسلمانوں کی زبوں حالی پسماندگی اور ذِلت وخواری کا بڑا سبب غربت و افلاس ہے اس کے خاتمہ کیلئے اگر مالدار مسلمان بینک کھولنا چاہیں یا بینک چلا رہے ہیں ان کیلئے کچھ جائز بیع کی صورتیں اگر تحریر فرمائیں تو مسلمان اپنے پیسے غیروں کے بینک میں نہ رکھیں آپس میں متحد ہو کر معاشی آسودگی کیلئے کوشش کریں آج دولت ہی کے بل بوتے پر عیسائی، یہودی عربوں بلکہ پوری دُنیا کے مسلمانوں پر جو ظلم و ستم کر رہے ہیں اس سے ہر حساس مسلمان خون کے آنسو رو رہا ہے لہٰذا آج ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو دولت و ثروت حاصل کرنے کیلئے جائز و حلال صورتیں بتائی جائیں تا کہ وہ اقوام عالم میں باعزت زندگی گزار سکیں۔

اللّٰھم اعزا الاسلام والمسلمین آمین بجاہ حبیبہ سیّد المرسلین صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم

اُمید ہی نہیں یقین ہے کہ اطمینان بخش جواب عطا ہوگا آپ کو مولیٰ تعالیٰ دارین میں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین

صُوَرِ مسئولہ کے جوابات درج ذیل ہیں۔

جواب ۱ ...... تحقیق حق وہی ہے جو سیّدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنے معرکۃ الآراء رسالہ **کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم** میں بڑی تفصیل سے ذکر فرمادی ہے کہ 'نوٹ اس کی اصل تو معلوم ہے کہ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور کاغذ مال متقوم ہے اور اس سکہ نے اسے کچھ زیادہ نہ کیا مگر یہی کہ لوگوں کی رغبتیں اس کی طرف بڑھ گئیں اور وقت حاجت کیلئے اٹھا رکھنے کے قابل ہوا جیسا کہ بحر، شامی وغیرہما میں ہے۔'

کچھ آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں 'اور بے شک محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا کہ لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ یعنی اگر کوئی اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے تو بلا کراہت جائز ہے پھر تحریر فرمایا کہ کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذات خود قیمت والا مال ہے کہ بکتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور ہبہ کیا جاتا ہے اور وِراثت میں آتا ہے اور جتنی باتیں مال میں جاری ہوتی ہیں اور خرید و فروخت کیلئے صرف اتنا کافی ہے کہ بائع و مشتری دونوں راضی ہوں تو اس کا کیا کہنا جس پر گروہ کی گروہ راضی ہوں اور ان قطعوں کی یہ قیمتیں اپنی اصطلاح میں ٹھہرالیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے نوٹ کو مال کی چوتھی قسم میں شمار فرمایا ہے یعنی یہ کہ اصل میں یہ متاع ہے اس لئے کہ یہ ایک پرچہ کاغذ ہے اور اصطلاح میں ثمن ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ ثمن کا سا معاملہ کیا جاتا ہے اور یہ رقمیں کہ اس پر مرقوم ہیں یہ اس کی ثمنیت کا ثمن اصلی سے اندازہ ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے مال کی چوتھی قسم کا اضافہ نہیں فرمایا بلکہ مال کی چوتھی قسم کا ذکر فتاویٰ بحر الرائق جلد ششم میں موجود ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔ قانون شرعی کے اعتبار سے مال چار قسم کا ہے:۔

(i) جو ہر حال اور ہر وقت زمانہ میں ثمن ہو جیسے سونا چاندی اسی لئے اس پر ہمیشہ ہر صورت میں زکوٰۃ لازم ہوتی ہے گھر میں استعمال ہو یا برائے فروخت اصل مال یہی ہے باقی سب اسی کے تابع ہیں۔

(ii) جو ہر حال میں مبیع ہو یعنی قابل فروخت سامان جیسے جانور فرنیچر کپڑے وغیرہ اسی لئے گھریلو سامان پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔

(iii) وہ چیز ایک اعتبار سے ثمن ہو اور دوسرے اعتبار سے مبیع ہو جیسے وہ اشیاء جو ناپ تول کر یا گن کر فروخت ہوتی ہیں مثلاً گندم چاول سبزی انڈے وغیرہ اب یہ کس صورت میں مطلقاً مبیع ہیں اس میں کافی طویل گفتگو ہے اس کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

(iv) وہ چیز اصل کے اعتبار سے تو سامان ہو لیکن لوگوں (حکومت یا عوام) کی اصطلاح اور رواج میں اس کو ثمن بنالیا ہو جیسے لوہے تانبے پیتل کے روپے پیسے وغیرہ۔ دُنیا میں مال کی صرف چار قسمیں ہیں جن میں پہلی تین کا ذِکر فتاویٰ تنویرالابصار، ج ٤ میں مرقوم ہے چنانچہ صفحہ نمبر ۳۳۷ پر ارشاد ہے، والاموال ثلاث ثمن بكل حال و هو النقد ان و مبيع بكل حال كاالثياب والداب و ثمن من وجه مبيع من وجه كاالمثليات یعنی مال تین قسم کے ہیں:۔

(i) ہر اعتبار سے ثمن اور وہ نقدان (یعنی سونا و چاندی) ہیں (ii) ہر حال میں مبیع جیسے کپڑے اور جانور (iii) ایک وصف سے ثمن اور ایک وصف سے مبیع جیسے مثلیات (یعنی ناپی تولی گئی ہوئی چیزیں) مال کی مذکورہ الصدر چوتھی قسم فتاویٰ بحرالرائق جلد ششم میں ہے چنانچہ علامہ شامی نے جلد چہارم کے صفحہ نمبر ۳۳۸ پر ارشاد فرمایا، يستفاد من البحر انها قسم رابع حيث قال و ثمن بالاصطلاح و هو مبيعة فى الاصل كالفلوس یعنی چوتھی قسم بحرالحرائق، جلد٦، صفحہ ١٣١ پر سے مستفاد ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا۔ ایک وہ چیز ہوتی ہے جو اصطلاح اور رواج میں ثمن بنالی جاتی ہے حالانکہ اصل میں وہ سامان ہوتا ہے جیسے پیسے جب مال کی تقسیم سمجھ لی گئی تو اب یہ سمجھ لیا جائے کہ مبیع کیا ہے قانون شرعی کے اعتبار سے حقیقی اور اصلی مبیع وہ چیز ہے جس کو فروخت کیا جائے اور خریدار خریدے اور اس کا ذاتی طور پر کچھ نفع ہو چنانچہ فتاویٰ شامی، جلد ٤ صفحہ ٣ پر ہے، و بإباحة الانتفاع به شرعا یعنی مبیع وہ چیز ہے جس سے شرعاً حلال نفع حاصل ہو۔ دنیا کی ہر چیز سے کسی نہ کسی طرح نفع حاصل ہوتا ہے سوائے سونا چاندی کے اسی لئے ہر شئے اصل میں مبیع ہے اگر چہ دنیا والے اس کو مبیع کے درجے سے نکال کر وقتی اور عارضی طور پر اپنی ضرورت کیلئے ثمن بنالیں مگر وہ حقیقی ثمن نہ ہوں گی۔

دوسری چیز جو فہم کے قابل ہے وہ ثمن ہے شرعی اعتبار سے ثمن وہ ہے جو کسی شئ کی قیمت بن سکے مگر اس کا نفع مقصود نہ ہو یعنی یہی وجہ ہے کہ حقیقی ثمن وہ ہے کہ جس کا کوئی حلال نفع حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے جیسے سونا چاندی کہ شریعت اسلامیہ میں ان دونوں کو محض قیمت بنایا گیا ہے ان سے کسی قسم کا نفع لینا ہر مرد و عورت کو اسی وجہ سے حرام قرار دیا گیا تا کہ یہ کسی دور میں سامان کے درجہ میں نہ آسکیں تیسری چیز قیمت ہے یعنی جس کسی چیز کا بازاری بھاؤ آپس میں طے ہو جاتا ہے وہ قیمت کہلاتا ہے وہ بھاؤ چیز کی حیثیت اور معیار کے مطابق ہوتا ہے اور جو بھاؤ آپس میں طے ہوجائے خریدار اور بیچنے والا آپس میں اس پر رضامند ہو جائیں عربی میں اس کو ثمن کہتے ہیں چنانچہ فتاویٰ ردالمحتار، جلد٤ صفحہ ٧١ پر ہے، والفرق بين الثمن والقيمة ان الثمن ما ترضى عليه المتعاقدان سواء زاد على القيمة او نقص والقيمة ما قوم به الشئ بمنزلة المعيار من غير زيادة ولا نقصان۔

اس تمام بحث کے بعد اب نوٹ کی حقیقت سمجھ لی جائے کہ شرعی ضوابط کے اعتبار سے نوٹ نہ تولی چیز ہے اور نہ ناپی ہوئی ہے اور نہ ہی سونے چاندی کے ہم جنس ہے نہ ہم قدر بلکہ نوٹ مال کی مذکورہ اقسام میں سے چوتھی قسم میں ہے یعنی اپنی اصلیت کے اعتبار سے یہ سامان ہے کیونکہ کاغذ ہے اور اپنے رواج کے اعتبار سے یہ ثمن ہے پس کیلی اور وزنی نہ ہونے کی وجہ سے اس کو جس طرح چاہے فروخت کیا جاسکتا ہے چنانچہ حدیثِ پاک میں ارشاد ہے، عن عبادة الصامت رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول اللّٰه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا اختلف هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم یعنی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب ان چیزوں کی جنس وقدر وغیرہ مختلف ہو تو جس طرح چاہو فروخت کرو۔ اسی حدیث کی رعایت کی بناء پر فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایک انڈا دو انڈوں کے بدلے فروخت ہوسکتا ہے کیونکہ قدریت مختلف ہے لہٰذا اسی طرح جائز ہے کہ ایک نوٹ دو نوٹ کے بدلے خریدے یا فروخت کرے شرعاً یہ سود نہ ہوگا۔

جواب ۲ ...... آپ نے جو جزئیہ کتب فقہ کے حوالے سے ذِکر کیا وہ بالکل دُرست ہے کہ ایک ہی مالک کے نوٹ آپس میں متحد الجنس ہیں البتہ ان میں قدر نہیں پائی جاتی لہٰذا ایک وصف کے معدوم ہونے کی وجہ سے اگرچہ زیادتی جائز ہے لیکن اُدھار حرام اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا موقف بھی یہی ہے البتہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے جو مسئلہ بیان فرمایا ہے اس میں فرمایا کہ سو کا نوٹ اس کے ہاتھ ایک سال کے وعدہ پر مثلاً ایک سو بارہ میں بیچے (یعنی ایک سو بارہ روپے میں) تو یہاں نوٹ اور روپیہ دو الگ الگ جنسیں ہیں کہ نوٹ کاغذ کا ہوتا ہے جبکہ روپیہ چاندی کا ہوتا ہے جس میں سولہ آنے ہوتے ہیں جیسا کہ فیروز اللغات اُردو میں روپے کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے ایک سکہ جس کے سولہ آنے ہوتے تھے اور جو چاندی کا ہوتا تھا (اس سے مراد وہ روپیہ نہیں جو ہمارے یہاں استعمال ہوتا ہے) لہٰذا یہاں نوٹ اور روپے کی نہ جنس ایک ہے اور نہ دونوں مقداری ہیں بلکہ نوٹ کی جنس کاغذ ہے جو عددی ہے اور روپے کی جنس چاندی ہے جو کہ موزونی ہے اور حدیث میں ہے کہ اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم یعنی جب دونوں نوعیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو بیچو۔

ہدایہ میں ہے و اذا عدم الوصفان الجنس المعنی المضوم الیه حل التفاضل والنساء لعدم المحرمة اور جب دونوں وصف معدوم ہوں یعنی جنس اور قدر تو زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں علہ محرمہ نہ پائے جانے کی وجہ سے یعنی قدر مع الجنس۔

جواب ۳ ......نوٹ کی نوٹ کے ساتھ خرید و فروخت کمی بیشی کے ساتھ نقد جائز ہے ادھار نا جائز جیسا کہ ہدایہ میں ہے، و اذا عدم الوصفان الجنس المعنی المضموم الیه حل التفاضل والنساء لعدم المحرمة یعنی ان دونوں علتوں میں سے ایک پائی جائے اور دوسری نہ پائی جائے تو زیادتی جائز ہے اور ادھار حرام ہے اس لئے کہ نوٹ نوٹ کی جنس ہے لہٰذا ایک وصف پایا گیا یعنی جنس اور دوسرا وصف یعنی قدر نہیں پائی گئی۔

جواب ٤ ......جیسا کہ شق نمبر (۱) میں اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ نوٹ اپنی اصل کے اعتبار سے سامان ہے اور رواج و اصطلاح کے اعتبار سے ثمن ہے لہٰذا نوٹ کی نوٹ کیساتھ خرید و فروخت کمی بیشی کیساتھ نقد تو جائز ہے لیکن ادھار نا جائز ہے اس لئے اگر نوٹ کو فروخت بھی کیا جائے تو زائد قیمت پر نقد فروخت کیا جاسکتا ہے جیسا کہ عموماً ہمارے یہاں نئے نوٹ کا پیکٹ زائد رقم پر فروخت ہوتا ہے اس اصول کی بنیاد پر جائز ہے۔ جبکہ بینک کا لین دین ادھار پر ہوتا ہے نیز نقد سو روپے کا نوٹ دے کر کون ہے جو پچھتر یا نوے روپے لے گا اس لئے بینکوں میں اس اصول کے مطابق تو کام نہیں ہوسکتا۔ البتہ نوٹ کو سکوں کے بدلے فروخت کیا جائے تو نقد اور ادھار دونوں میں کمی بیشی جائز ہے اس لئے کہ دونوں کی جنس بھی مختلف ہے اور قدر بھی ایک نہیں ہے سود کی لعنت سے بچنے اور جائز منافع حاصل کرنے کی ایک بہترین صورت مضاربت ہے جس کی شرعاً اجازت دی گئی ہے اسی طرح شرکت مرابحہ استصناع اجارہ وغیرہ کی صورت میں شریعت نے متبادل فراہم کردیا ہے مضاربت میں ایک شخص کا سرمایہ ہوتا ہے اور دوسرا شخص اس پر محنت کرتا ہے نفع میں آدھے یا تہائی حصہ کا معاہدہ کرلیا جاتا ہے تو یہ منافع جائز اور حلال ہوگا اس صورت میں جتنا منافع ہوگا اسی تناسب سے حصہ ملے گا۔ اگر بینک مذکورہ اسلامی اصولوں کے مطابق بینکنگ کریں تو سود کی لعنت سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔

جواب ۵ ......نوٹ کے بارے میں جو تحقیق اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی اس تحقیق کو علمائے حرمین، علمائے مصر اور ہندوستان کے بڑے بڑے علماء نے نہ صرف قبول کیا بلکہ سراہا اور اس بات کا اعتراف کیا کہ اس تحقیق کے بعد کسی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے ملک کے علاوہ دُنیا بھر میں اسلامی بینک کے نظام کو تیزی کے ساتھ متعارف کروایا جا رہا ہے اگرچہ یہ ایک اچھا اور قابل تعریف امر ہے لیکن اس سسٹم میں ابھی کچھ ایسی خرابیاں موجود ہیں جن کا دُور کیا جانا ازحد ضروری ہے بینکنگ صنعت خلوص اور اچھے اِرادے کے ساتھ سودی نظام کو ختم کرنے کی نیت سے صحیح طریقے پر اسلامی طریقے کے مطابق بینکنگ کریں تو بہت جلد سودی نظام سے نَجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ حکومت پاکستان اسلامی بینکاری کے فروغ کیلئے پچھلے تین سالوں سے کافی کوششیں کررہی ہے اور اس سلسلہ میں کافی تیزی سے کام ہورہا ہے۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے اسلامک بینکنگ برانچز کی دیکھ بھال کیلئے کہ آیا بینک شرعی اصولوں کے مطابق بینکنگ کررہے ہیں یا نہیں شریعہ ایڈوائزر کے تقرر کو لازمی قرار دیا ہے۔ اُمید ہے کہ اگر اس طرح کی کوششیں خلوص کے ساتھ جاری رہیں تو عنقریب سود کی لعنت سے نجات حاصل ہوجائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال ۱ ......H.S.B.C مڈ ایسٹ لمیٹڈ (عرب امارات) چند شرائط پر قرض دیتا ہے بینک کے مطابق اس قرض کا لین دین اور طریقہ کار شریعت کی روشنی میں رکھا گیا ہے اور وہ اسے اسلامی قرار دیتے ہیں۔ اس لین دین کے قواعد وضوابط اور طریقہ کار اس سوالنامہ کے ساتھ منسلک ہے جو انگریزی اور عربی دونوں زبانوں میں دیئے گئے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ ان قواعد وضوابط کی روشنی میں اس کی شرعی حیثیت اور جائز یا ناجائز ہونے کے متعلق فتویٰ ارشاد فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

جواب ......اللہ تعالیٰ مالک الملک اور قادر مطلق ہے اس نے بندوں کی بہتری کیلئے جو احکام مقرر فرمائے ہیں وہ سراسر حکمت پر مبنی ہیں اس نے ہمیں جو دین عطا فرمایا اس میں امن وسلامتی، محبت واخوت، عفو درگزر اور ہمدردی وخیر خواہی کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام ایسے عادلانہ معاشی وسماجی نظام کا تصوُّر پیش کرتا ہے جو لوٹ مار، دھوکہ دہی اور ظلم واستحصال سے پاک ہو، اسلام کی منشاء یہ ہے کہ دولت کی منصفانہ تقسیم ہو اور یہ صرف چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر نہ رہ جائے بلکہ صدقات وعطیات کی صورت میں دولت امیروں سے منتقل ہو کر غریبوں کی طرف آئے اس کے برعکس ربوٰ پر مبنی سودی نظام غریبوں سے دولت لوٹ کر امیروں کی تجوریاں بھرتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے جو پہلی شریعتوں میں بھی حرام تھا۔ یہود میں سود کی عادتِ بد جڑ پکڑ چکی تھی جسکی وجہ سے وہ غضبِ الٰہی کے مستحق ٹھہرے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمتوں کا دروازہ بند کر دیا۔ وہ معاشرہ جس میں سود کی وباء عام اور لوگ اس کے عادی مجرم بن چکے تھے اللہ نے انسداد سود کیلئے شراب کی طرح بتدریج احکام نازل فرمائے مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورۂ روم میں سود پر ناپسندیدگی کا اِظہار فرمایا: وما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللّٰہ و ما اتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللّٰہ فاولئک ھم المضعفون (الروم:۳۹)

اور جو مال تم سود حاصل کرنے کیلئے دیتے ہو کہ وہ لوگوں کے مالوں میں شامل ہو کر بڑھتا ہی رہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور نہیں بڑھے گا اور تم جو زکوٰۃ اور خیرات دیتے ہو رضائے الٰہی کے طلبگار بن کر پس یہی لوگ ہیں جو اپنے مالوں کو کئی گنا کر لیتے ہیں (یعنی سود سے جمع کردہ دولت کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی وقعت نہیں) اللہ تعالیٰ نے سود کے ذریعے مال کے حصول کو اپنے اور رسول سے جنگ کرنے کے مترادف قرار دیا۔ چنانچہ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۷۸ اور ۲۷۹ میں بیان فرمایا: یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ و ذروا ما بقی من الربٰوا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللّٰہ و رسولہ

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود میں سے اگر تم ایمان رکھتے ہو پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس قدر شدید تہدید کسی اور گناہ کے بارے میں نہیں فرمائی۔

حرمت سود پر احادیثِ مبارکہ بڑی کثرت سے وارد ہیں صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتا ہوں۔

لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم اکل الربو و موکله و کاتبه و شاهدیه و قال هم سواء

(صحیح مسلم باب الربوا) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود لینے والے، سود دینے والے، سود لکھنے والے اور سود کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ وہ سب (اس جرم میں) برابر ہیں۔

شریعتِ مطہرہ نے جہاں سود کو حرام قرار دیا ہے وہاں تجارت اور جائز طریقہ سے نفع کمانے کی حوصلہ افزائی کی ہے سود کی لعنت سے بچنے اور جائز منافع کی ایک بہترین صورت مضاربت ہے جس کی شرعاً اجازت دی گئی ہے اسی طرح شراکت، مرابحہ، استصناع، اجارہ وغیرہ کی صورت میں شریعت نے متبادل فراہم کر دیا ہے۔ مضاربت میں ایک شخص کا سرمایہ ہے اور دوسرا شخص اس پر محنت کرتا ہے نفع میں آدھے یا تہائی حصہ کا معاہدہ کرلیا جائے تو یہ منافع جائز اور حلال ہوگا اس صورت میں جتنا منافع ہوگا اسی تناسب سے خرچ کرنے والے کو حصہ ملے گا۔ بینک سود کے بجائے مضاربت کا طریقہ رائج کرے تو سود کی لعنت سے بچا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رسالہ **کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم** میں تفصیل سے سود سے بچنے اور حلال طریقہ سے کاروبار کے ذرائع کی وضاحت فرما دی ہے۔ نیز بینک اگر اسلامی اور شرعی قواعد کے مطابق مضاربہ، مشارکہ، اجارہ کی بنیاد پر بینکنگ کرے تو جائز ہے شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ البتہ کسی مخصوص بینک کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اسلامی شرعی طریقہ کے مطابق بینکاری کر رہا ہے ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال ......بعض لوگ بس اسٹاپ وغیرہ پر ریزگاری (سکے وغیر) لے کر بیٹھتے ہیں اور بس کنڈیکٹر اور دیگر لوگ ان سے مثال کے طور پر 100 روپے دے کر 90 روپے لیتے ہیں اور یہ سب باہمی رضامندی سے ہوتا ہے کہ ان کو ٹائم کی بچت ہوتی ہے لہٰذا اسی مسئلہ میں یہ بتائیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب......ریزگاری یا نوٹ کی کمی اور زیادتی کے ساتھ خرید وفروخت کرنا جائز ہے۔ اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب کنز الدقائق میں ہے، **صح بیع الفلس بالفلسین باعیا نهما** یعنی ایک معین پیسے کو دو معین پیسوں کے عوض نقد فروخت کرنا جائز ہے اور ادھار فروخت کرنا جائز نہیں۔ (کتاب کنز الدقائق باب الربٰو ا، ص ۲۴۹، قدیمی کتب خانہ)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال ...... بیع کی تعریف کیا ہے؟ نیز بیع فاسد ہونے کی کیا کیا صورتیں ہیں؟ آیا خرید و فروخت یا قرض وغیرہ کا معاملہ یا معاہدہ تحریری طور پر نہ ہوتو اس میں شرعاً کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

جواب......لغت کے اعتبار سے بیع کے معنی مطلقاً مبادلہ کے ہیں شرا اس کی ضد ہے اور شریعت کی اصطلاح میں بیع کے معنیٰ یہ ہیں کہ دو شخصوں کا آپس میں مال کا مال سے ایک مخصوص صورت کے ساتھ تبادلہ کرنا۔ بیع قول اور فعل (عمل) دونوں سے ہو سکتی ہے اگر قول سے ہوتو ایجاب وقبول اس کے ارکان ہیں مثلاً ایک نے کہا میں نے بیچا، دوسرے نے کہا میں نے خریدا۔ اور اگر فعل سے ہو تو چیز لینا اور قیمت دینا اس کے ارکان ہیں اور یہ لینا دینا ایجاب و قبول کے قائم مقام ہے مثلاً بیچنے والا پکارتا ہے۔ اس گلاس کی قیمت ایک روپیہ ایک روپیہ۔ خریدار آتا ہے ایک روپیہ دے دیتا ہے اور گلاس لے لیتا ہے۔ طرفین باہم کوئی بات نہیں کرتے مگر دونوں کا فعل ایجاب وقبول کے قائم مقام قرار دیا جاتا ہے۔ اس قسم کی بیع کو تعاطی کہتے ہیں جس طرح ایجاب وقبول زبانی ہوتا ہے اسی طرح تحریری طور پر بھی ہوسکتا ہے مثلاً ایک شخص نے دوسرے کے پاس ایجاب لکھ کر بھیجا دوسرے نے قبول کو لکھ کر بھیج دیا تو بیع ہو جائے گی لیکن یہ ضروری ہے کہ جس مجلس میں ایجاب کی تحریر موصول ہوئی ہے قبول کی تحریر اسی مجلس میں لکھی جائے ورنہ ایجاب باطل ہو جائے گا۔ (درمختار، ردالمحتار، عالمگیری) اگرچہ بیع کا انعقاد زبانی ایجاب وقبول سے ہو جاتا ہے لیکن اسلام نے آپس کے معاملات میں باہمی نزاع اور اختلافات سے بچنے کیلئے چند اصول بیان فرمائے ہیں جن کے ذریعے ان اختلافات سے بچا جاسکتا ہے۔ ان اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ باہمی لین دین چاہے وہ قرض کی صورت میں ہو یا کاروبار اور تجارت کی صورت میں ہو، اسے تحریر کی شکل میں لکھ دیا جائے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس اصول کو واضح طور پر بیان فرمایا گیا ہے: یاایھا الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ و لیکتب بینکم کاتب باالعدل اے ایمان والو! جب تم ایک دوسرے کو قرض دو مدت مقررہ تک تو اسے لکھ لیا کرو اور تمہارے درمیان عدل و انصاف سے لکھنے والا لکھے۔

اسی آیتِ مبارکہ میں آگے چل کر ایک اور اصول بیان فریا گیا:

و استشھدو اشھیدوین من رجالکم اور تم اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنالیا کرو۔

قرآن کریم کی اس آیتِ مبارکہ میں معاملات کے بہت سے احکام شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔ پہلا حکم یہ ہے کہ جب ادھار کا لین دین کرو تو ضرور لکھ لیا کرو کیونکہ بسا اوقات انسان پہلے لکھنے سے شرماتا ہے لیکن بعد میں طرح طرح کی غلط فہمیاں اور رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں اور نوبت لڑائی جھگڑے اور مقدمات تک جا پہنچتی ہے اور آپس کے تعلقات ہمیشہ کیلئے کشیدہ ہو جاتے ہیں لیکن اگر معاملے کی ساری تفصیلات یعنی مقدار، قسم اور ادائیگی کا وقت لکھ لیا جائے تو پھر ان مفاسد سے نجات مل جاتی ہے۔

فقہی اصطلاح میں اگرچہ معاہدے اور معاملہ کو لکھنا واجب لازم یا ضروری تونہیں ہے لیکن اس کی اہمیت اور افادیت سے کسی کو اِنکار نہیں۔ نبیؐ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جو شخص تحریر نہیں کرتا اور اس کا حق ضائع ہو جائے تو اسے کوئی اجر نہیں ملے گا اور اگر اس نے اپنا حق غصب کرنے والے کیلئے بددعا کی تو وہ بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے اس واضح ارشاد کی تکمیل نہیں کی۔ (احکام قرآن) تحریر کے ساتھ گواہ مقرر کرنے کا بھی حکم دیا تاکہ معاملہ میں کسی وقت بھی گڑبڑ پیدا نہ ہو۔ عصر حاضر میں بینک اسلامی طریقہ کے مطابق فائنانسنگ کر رہے ہیں جن میں مشارکہ، مضاربہ، سلم، مساومہ اور مرابحہ وغیرہ سرفہرست ہیں اور یہ تمام طریقے باقاعدہ تحریری معاہدے اور ایجاب وقبول کی صورت میں ہوتے ہیں جو معاملات کی بہت ہی عمدہ صورت ہے اور قرآن وحدیث کے حکم کے مطابق ہے چنانچہ ان تمام عقود میں بینک اور کلائنٹ ایک جامع معاہدے پر دستخط کرتے ہیں جس میں بیع کی تمام شرائط وضوابط بھی تحریر ہوتی ہیں۔ اس معاہدے میں بینک مطلوبہ چیز کی بیع اور کلائنٹ وقتاً فوقتاً ایک طے شدہ نفع کے تناسب پر خریداری کا وعدہ کرتا ہے اس معاہدہ میں بینک اور خریدار مستقبل میں کسی چیز کی بیع اور خریداری کا وعدہ کرتے ہیں یہ عملی بیع نہیں ہے صرف مستقبل میں مرابحہ یا سلم یا مساومہ وغیرہ کی بنیاد پر بیع کا وعدہ ہے۔ اگر بالفرض بینک اور خریدار یہ معاہدہ نہ کریں یا معاہدہ تو ہو لیکن صرف زبانی ہو تو آئندہ زمانے میں منعقد ہونے والی بیع پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور وہ بیع شرعاً منعقد ہو جائے گی اس لئے کہ شرع میں بیع کا معنیٰ مبادلة المال بالمال ہے یعنی مال کا مال سے تبادلہ کرنا ہے جیسا کہ فقہی معتبر ترین کتاب ہدایہ میں ہے، البيع ينعقد بالايجاب والقبول اذا كان بلفظي الماضي مثل ان يقول احدهما بعت والاخر اشتريت و قوله رضيت بكذا او اعطيتك بكذا او خذه بكذا في معنى قوله بعت و اشتريت (شرح الہدایہ، ج۳ ص۲۴) یعنی بیع ایجاب اور قبول سے منعقد ہو جاتی ہے جبکہ ایجاب وقبول لفظ ماضی کے ساتھ ہوں مثلاً ان میں سے ایک کہے کہ میں نے یہ چیز اتنے داموں میں بیچ دی اور دوسرا کہے کہ میں نے لے لی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال ...... بیع میں کتنے خیار ہوتے ہیں؟ مثالوں سے وضاحت فرمادیجئے۔

جواب...... واضح ہو کہ بیع میں مختلف نوعیت کے خیار ہوتے ہیں:۔

خیارقبول...... یعنی عاقدین میں سے جب ایک نے ایجاب کیا مثلاً کہا میں نے بیچی تو دوسرے کو اختیار ہے کہ مجلس میں قبول کرے یا رڈ کردے۔اس کا نام خیار قبول ہے۔خیار قبول آخر مجلس تک رہتا ہے جب ایجاب وقبول دونوں ہو چکے تو بیع لازم وتمام ہوگئی اب کسی کو دوسرے کی رضامندی کے بغیر رڈ کردینے کا اختیار نہیں رہا۔ہاں اگر مبیع (جو چیز بیچی یا خریدی جائے) کو مشتری (خریدار) نے نہیں دیکھا تو خیار عیب وخیار رویت حاصل ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

خیارشرط...... بائع ومشتری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قطعی طور پر بیع نہ کریں بلکہ عقد میں یہ شرط رکھ دیں اگر منظور ہوا تو بیع باقی رہے گی ورنہ نہیں اسے خیار شرط کہتے ہیں ۔طرفین کو اس کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔کبھی بائع (بیچنے والا) نا اتفاقی کی وجہ سے اپنی چیز کم داموں میں بیچ دیتا ہے یا مشتری (خریدار) اپنی نادانی سے زیادہ میں خرید لیتا ہے اس لئے دوسرے سے مشورہ کرکے صحیح رائے قائم کرنی ہوتی ہے ۔خیار کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن ہے۔اس سے کم ہوسکتی ہے زیادہ نہیں ۔اب جو مدت مقرر کی ہے اور فریقین میں سے جس نے خیار کی شرط کی ہے اسے مدت کے اندر اندر بیع کو فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے اور تین دن پورے ہوگئے اور بیع کو جائز نہ کیا تو بیع فاسد ہوگئی۔ (درمختار، عالمگیری، بدائع، ہدایہ)

خیارتعیین...... چند چیزوں میں سے ایک غیر معین چیز کو خریدا مثلاً یوں کہا کہ ان میں سے ایک خریدتا ہوں تو مشتری (خریدار) ان میں سے جس کو چاہے متعین کرے اس کو خیار تعیین کہتے ہیں۔اس کی مدت بھی تین یوم تک ہے اور اس میں ایک شرط یہ ہے کہ ان چیزوں میں سے صرف ایک کو خرید لے یہ اختیار نہیں ہے کہ کہے میں نے سب کو خرید لیا ہے۔دوم یہ کہ دو چیزوں میں سے ایک یا تین چیزوں میں سے ایک خرید لے۔ چار میں سے ایک خریدی تو صحیح نہیں۔سوم یہ کہ بائع (بیچنے والا) کی طرف سے یہ تصریح ہو کہ ان میں سے جو چاہے تو خرید لے۔ (ردالمحتار)

خیار رویت......کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چیز کو بغیر دیکھے بھالے خرید لیتے ہیں اور دیکھنے کے بعد وہ چیز ناپسند ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں شریعتِ مطہرہ نے مشتری (خریدار) کو یہ اختیار دے دیا ہے کہ اگر دیکھنے کے بعد چیز کو نہ لینا چاہے تو بیع فسخ کردے۔ (ھذا الحدیث رواہ الامام الاعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خیار رویت کیلئے کسی مدت کی تحدید نہیں ہے کہ اس کے گزرجانے کے بعد خیار باقی نہ رہے۔

خیار عیب......مبیع میں عیب ہو تو اس کا ظاہر کردینا بائع پر واجب ہے چھپانا حرام و گناہِ کبیرہ ہے۔ اگر بغیر عیب ظاہر کئے چیز بیع کردی تو معلوم ہونے کے بعد واپس کرسکتے ہیں۔ اس کو خیار عیب کہتے ہیں۔ خیار عیب کیلئے چند شرائط ہیں:۔

(۱) وہ عیب عقد بیع کے وقت موجود ہو یا بعد عقد مشتری (خریدار) کے قبضے سے پہلے پیدا ہوا ہو۔ لہٰذا مشتری (خریدار) کے قبضہ کے بعد جو عیب پیدا ہوا اس کی وجہ سے خیار حاصل نہ ہوگا۔

(۲) مشتری نے قبضہ کرلیا تو اسکے پاس بھی وہ عیب باقی رہے لہٰذا اگر مشتری کے پاس وہ عیب باقی نہ رہا تو اب خیار بھی نہیں۔

(۳) مشتری (خریدار) عقد یا قبضہ کے وقت عیب پر مطلع نہ ہو اور اگر عیب دار جان کرلیا یا قبضہ کیا تو خیار باقی نہ رہا۔

(٤) بائع نے عیب سے برات نہ کی ہو اگر اس نے کہہ دیا کہ دیکھ لو میں اس کے کسی عیب کا ذِمہ دار نہیں ہوں تو اب خیار باقی نہ رہا۔ (عالمگیری) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال ...... مالی جرمانہ جائز ہے یا نہیں؟ بعض اِدارے اپنے ملازمین کی اصلاح کیلئے مالی جرمانہ رکھتے ہیں اسی طرح بعض وہ ادارے جو مالی لین دین کرتے ہیں اور اس کیلئے ایک میعاد مقرر کرلتے ہیں میعاد پر رقم نہ ملنے کی صورت میں مالی جرمانہ کرکے اس رقم کو کسی نیک کام میں اس شخص کی جانب سے صَدَقہ یا خیرات کردیتے ہیں، آیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب......صورت مسئولہ کی دونوں صورتوں میں (چاہے وہ ملازمین کی اصلاح ہو یا مقروض کا وقت پہ رقم ادا نہ کرنا) اِدارے کو چاہئے کہ وہ حتی الامکان کوشش کرے کہ مالی جرمانے کے بغیر تنبیہ وغیرہ کے ذریعہ مسئلہ حل کرے اگر مقروض کسی تنگدستی کی وجہ سے قرض ادا نہیں کرپارہا تو اسے مہلت دی جائے چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ و ان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الیٰ میسرۃ اور اگر وہ (قرض دار) تنگ دست ہے تو اسے مہلت دو (اس کی) آسانی تک اور قرض کی ادائیگی تک اور ملازم کی اصلاح کیلئے دیگر ذرائع استعمال کئے جائیں۔ لیکن اگر اسکے باوجود مسئلہ حل نہ ہو اور مقروض پیسے ہونے کے باوجود ٹال مٹول سے کام لے رہا ہو اور ملازم قوانین وضوابط کی پابندی نہیں کررہا تو مالی جرمانہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ مصطفویہ میں مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ فتاویٰ خلاصہ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ فتاویٰ خلاصہ میں یہ ہے، سمعت من ثقۃ ان التعذیر باخذ المال ان رای القاضی او الوالی جازو من جملۃ ذالک رجل لا یحضر الجماعۃ یجوز تعذیرہ باخذ المال (فتاویٰ مصطفویہ، ص۴۸۳) فتاویٰ خلاصہ کے اس ارشاد سے ایسے شخص پر جرمانہ کی اجازت والی وقاضی کیلئے معلوم ہوئی کہ اگر وہ اس میں مصلحت پائیں جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتا تو جو نماز ہی نہیں پڑھتے ان پر بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے، و عند ابی یوسف رحمة اللّٰہ تعالیٰ یجوز التعذیر للسلطان باخذ المال و عندھما و باقی الائمة الثلاثة لا یجوز کذا فی فتح القدیر امام ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک سلطان کیلئے تعذیر بالمال جائز ہے جبکہ طرفین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے پھر تعذیر بالمال کی صورت یہ بیان کی کہ و معنی التعذیر باخذ المال علی القول به امساك شئ من مال عنده لینزجر ثم یعیده الحاکم الیه لا ان یاخذ الحاکم لنفسه او لبیت المال کما یتوهمه الظلمة اذ لا یجوز لاحد من المسلمین اخذ المال بغیر سبب شرعی کذا فی البحر الرائق یعنی تعذیر بالمال کا معنی یہ ہے کہ حاکم اس کے مال کا کچھ حصہ زجر اور توبیخ کیلئے اپنے مال کچھ مدت کیلئے رکھ لے پھر واپس کر دے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ حاکم وہ مال خود لے لے یا بیت المال میں جمع کرے اس لئے کہ مسلمانوں میں سے کسی کو یہ بات جائز نہیں کہ وہ کسی کا مال بغیر کسی وجہ شرعی کے لے لے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جرمانہ اس شخص کی اصلاح تک ہوگا کہ اس طرح سے اس کی اصلاح ہو جائے تو بعد اصلاح واپس کر دیں اور اگر واپس کرنے سے پھر اس شخص کی وہی حالت ہو جانے کا صحیح اندیشہ ہو تو کسی نیک کام میں اس کی طرف سے لگا دیں۔ یہاں چونکہ قاضی نہیں۔ لہٰذا اعلم علماء بلد سنی صحیح العقیدہ غیر فاسق قائم مقام والی ہے اس کی اجازت سے مالی جرمانہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ جس کی اصلاح ہو جائے اسے واپس دے دیا جائے اور جس کے بگڑنے اور تعذیر کی ہیبت ہی جانے کا اندیشہ ہو اس کی رقم کسی نیک کام میں صرف کر دی جائے اور اگر اس سے اجازت لے لی جائے تو اچھا ہے اور اگر وہ اجازت نہ دے تو بھی اس کی طرف سے کسی نیک کام میں لگا دی جائے کہ اسے ثواب پہنچے۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص۴۸۳) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال ......رہن سے کیا مراد ہے اور اس کے احکام کیا ہیں؟ مختصراً بیان فرمائیے۔

جواب......لغت میں رہن کے معنی ثابت رہنے، قائم رہنے، پابند ہوجانے کے ہیں۔ جیسے بولتے ہیں: ماء راھن ٹھہرا ہوا پانی، نعمة راھنة پائیدار نعمت۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے، کل نفس بما کسبت رھینة ہر شخص اپنے کئے ہوئے میں گروی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، نفس المومن رھونة بدینه حتی یقضی عنه مومن کی جان قبر میں اس کی قرض کے باعث قید رہے گی حتیٰ کہ اسے ادا کردیا جائے۔

حدیث میں رہن کا معنی پابندی اور قید کے ہیں۔

رہن کا جواز کتاب وسنت واجماعِ اُمت سے ثابت ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا، و ان کنتم علی سفر ولم تجدو کاتبا فرھن مقبوضة یعنی اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو گروی ہو قبضہ دیا ہوا۔

یعنی حالتِ سفر میں قرض کی ضرورت پیش آجائے اور تحریر کا موقع نہ ملے تو اطمینان کیلئے کوئی چیز دائن (قرض دینے والے) کے پاس گروی رکھ دی جائے۔ اس آیت میں سفر کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے۔ یعنی سفر کی حالت ہو یا اقامت کی حالت دونوں صورتوں میں قرض کے بدلے میں رہن رکھا جاسکتا ہے۔

حدیثِ مبارکہ سے بھی رہن کا جائز ہونا واضح ہے۔ حضور علیہ السلام نے ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھ کر بیس صاع جَو قرض لئے تھے۔ اسی طرح تمام ائمہ اسلام رہن کے جائز ہونے پر متفق ہیں۔

واضح ہو کہ رہن رکھنے والے کو مرتہن اور رہن کرنے والے کو راہن اور جس چیز کو رہن رکھا جائے اسے مرہون کہتے ہیں۔ مثلاً زید نے ایک ہزار روپے عمر سے قرض لئے اور اپنا ملکیتی مکان عمر کے پاس رہن رکھ دیا تو زید کو **راہن** اور عمر کو **مرتہن** اور مکان کو **مرہون** کہیں گے۔

☆ اپنے کسی حق مثلاً قرض کی وصولی کیلئے قرض دار کی کسی ایسی چیز کو روک لینے کو رہن کہتے ہیں۔ جس کے ذریعہ وہ اپنا قرض وصول کرسکے۔ جب راہن اور مرتہن کے درمیان ایجاب و قبول ہوجائے اور شئ مرہونہ مرتہن کے قرضے میں آجائے تو رہن لازم ہوجاتا ہے۔

☆ راہن جب قرضہ ادا کردے تو مرتہن کیلئے لازم ہے کہ وہ شئ مرہونہ، راہن کو واپس کردے۔

☆ مرتہن کو شئ مرہونہ سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے اگر راہن اس بات کی اجازت بھی دے دے۔ مثلاً رہن شدہ مکان میں رہائش رکھنا یا رہن شدہ مشینری کو اپنے استعمال میں لانا وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال ......جس چیز کو رہن کہا گیا ہے اس پر آنے والے اخراجات کون برداشت کرے گا؟ راہن یا مرتہن؟

جواب......مرہون کی حفاظت میں جو کچھ صَرف ہوگا وہ سب مرتہن کے ذمہ ہے کہ حفاظت خود اسی کے ذِمہ ہے لہٰذا جس مکان میں مرہون کو رکھے گا اس کا کرایہ اور حفاظت کرنے والے کی تنخواہ مرتہن اپنے پاس سے خرچ کرے اور اگر جانور کو رہن رکھا ہے تو اسکے چرانے کی اُجرت اور مرہون کا نفقہ مثلاً اس کا کھانا پینا اور لونڈی غلام کو رہن رکھا ہے تو ان کا لباس بھی اور باغ رہن رکھا ہے تو درختوں کو پانی دینے پھل توڑنے اور دوسرے کاموں کی اُجرت راہن کے ذمہ ہے اسی طرح زمین کا عشر یا خرج بھی راہن ہی کے ذمہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مرہون کی بقاء یا اس کے مصلاح میں جو خرچہ ہو وہ راہن کے ذمہ ہے۔ (ہدایہ)

جو مصارف مرتہن کے ذمہ ہیں اگر شرط کر لی جائے کہ یہ بھی راہن ہی کے ذمہ ہوں گے تو باوجود شرط بھی راہن کے ذمہ نہیں ہونگے بلکہ مرتہن ہی کو دینے ہوں گے بخلاف ودیعت کے اس میں اگر مودع نے یہ شرط کر لی ہے کہ حفاظت کے مصارف مودع کے ذمہ ہوں گے تو شرط صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال ...... ایک کمپنی اپنی گاڑی یا مشینری کسی شخص کو کرایہ پر دیتی ہے اور یہ معاہدہ طے کرتی ہے کہ پہلے مہینے کا کرایہ 3,000 روپے ہوگا اور اس کے بعد 1,000 روپے مہینے کرایہ ہوگا۔ آیا شرعاً اس طرح معاہدہ کرایہ داری جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ تحریر فرمائیں۔

جواب ...... صورت مسئولہ میں اس طرح کا معاہدہ کرایہ داری کرنا جائز ہے کہ اس میں میعاد کا بھی تعین ہے اور کرایہ کا بھی جیسا کہ ہدایہ آخرین میں ہے، الا جارة عقد یرد علی المنافع بعوض ولا یصح حتی تکون المنافع معلومة والاجرة معلومة و ما جاز ان یکون ثمنا فی البیع جاز ان یکون اجرة فی الاجارة (ص ۲۹۳) یعنی اجارة منافع پر عقد کرنا ہے کسی عوض کے بدلے۔ اور منفعت بغیر منافع معلومہ اور بغیر اجرۃ معلومہ کے جائز نہیں (یعنی اُجرت اور منافع معلوم ہونا چاہئے) اور جس کا بیع میں ثمن بننا جائز ہے تو اس کا اجارہ میں اجرت بننا بھی جائز ہے۔

تفسد الاجارة باالشروط المخالفة لمتقضی العقد فکل ما افسد البیع مما مریفده کجهالة ما جور او اجرة او مدة او علم و کشرط طعام و علف دابة و مرمة الدار و مغارمها (شرح تنویر، ج۲ ص ۱۷۷) یعنی اجارہ ایسی شرائط سے فاسد ہو جاتا ہے جو مقتضی عقد کے خلاف ہوں تو ہر وہ چیز جو بیع کو فاسد کر دیتی ہے وہ اجارہ کو بھی فاسد کردے گی جیسے مکان کرایہ پر لیتے وقت کچھ مدت بیان نہیں کی کہ کتنے دن کیلئے کرایہ پر لیا ہے یا کرایہ مقرر نہیں کیا یوں ہی لے لیا یا یہ شرط کر لی کہ جو کچھ نقصان ہوگا وہ ہم اپنی جانب سے بنوا دیا کریں گے یا کسی کو گھر اس وعدہ پر دیا کہ اس کی مرمت کرا دیا کرے اور اس کا یہی کرایہ ہے یہ سب اجارہ فاسد ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے، واما شرائط الصحة فمنها رضا المتعاقدین یعنی اجارہ کی شرائط میں سے ایک متعاقدین کا رضا مند ہونا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری، ج۴ ص ۴۱۱)

☆ اسی طرح درمختار میں ہے کہ کون الاجرة والمنفعة معلومتین اما الاول فکقوله بکذا دراهم او دنانیر (ج۴ ص ۵) یعنی اجارہ کی شرائط میں سے اجرت اور منفعۃ کا معلوم ہونا ہے (منفعت کی مقدار کا علم مدت بیان کرنے سے ہوتا ہے مثلاً ایک ہزار روپے میں ایک مہینے کیلئے مکان کرایہ پر لیا) اُجرت معلوم ہونے کی صورت یہ ہے کہ عاقد کا یہ کہنا کہ اتنے دِرہموں یا دِیناروں میں عقد کیا۔ لہٰذا سوال میں مذکورہ صورت کے مطابق اجارہ کرنا شرعاً جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال ۱...... آج کل بہت سے بینک اسلامی بینک کے نام سے الگ برانچ بھی کھول رہے ہیں جب ان سے معلوم کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے مفتی صاحب اسٹیٹ بینک میں ہیں ان سے معلوم کرلیں بینک میں سود کا کام نہیں ہوتا۔ جب ہم کوئی رقم کسی کو دیتے ہیں نفع اور نقصان کی بنیاد پر اور قرضہ پر کرائے کی صورت میں رقم لیتے ہیں اس لئے ہمارے کرنٹ اکاؤنٹ اور PLS اکاؤنٹ پر رقم کسی بھی صورت میں سود میں استعمال نہیں ہوتی اگر ایسا ہوتا ہے تو ساری رقم صدقہ کردیتے ہیں اور PLS پر منافع دوسرے بینکوں سے کم ہوتا ہے تقریباً تین فیصد کم ہوتا ہے اور یہ رقم منافع کسی بھی صورت میں سود نہیں ہوتا اب مسئلہ یہ ہے کہ یہ رقم (منافع) کسی صورت میں بھی سود ہے یا نہیں؟

سوال ۲...... کیا ایسا کوئی فتویٰ آپ کی نظر میں آیا ہے یہ رقم منافع جائز ہے یا نہیں کیا ایسا کوئی فتویٰ ہے یا کوئی بینک کار جس سے آپ معلوم کرسکیں کہ اسلامی بینکنگ کیا ہے جو اسٹیٹ بینک میں بیٹھے ہوئے مفتی صاحبان چلا رہے ہیں۔ برائے کرم مسئلے کا جواب تحریری طور پر دیں جوابی لفافہ ساتھ ہے اگر ہوسکے تو نمازِ جمعہ میں مسئلے کی وضاحت فرمائیں تاکہ بہت سے لوگوں کا فائدہ ہو اور اسلامی بینک کے جائز یا ناجائز ہونے کا پتا چلے کچھ بینکوں کا نام لکھ رہا ہوں جو کہ اسلامی بینکنگ کے نام سے الگ برانچ کھولے ہوئے ہیں۔ سونیری بینک (اسلامی بینک) نیونہام روڈ MCB اسلامی بینک آئی آئی چندریگر روڈ، میزان اسلامی بینک، الفلاح اسلامی بینک آئی آئی چندریگر روڈ وغیرہ وغیرہ۔

جواب...... ہمارے ملک کے علاوہ دنیا بھر میں اسلامی بینک کے نظام کو تیزی کے ساتھ متعارف کروایا جارہا ہے اگرچہ یہ ایک اچھا اور قابل تعریف امر ہے لیکن اس سسٹم میں ابھی کچھ ایسی خرابیاں موجود ہیں جن کا دور کیا جانا از حد ضروری ہے بینکنگ صنعت خلوص اور اچھے ارادے کے ساتھ سودی نظام کو ختم کرنے کی نیت سے صحیح طریقے پر اسلامی طریقے کے مطابق بینکنگ کریں تو بہت جلد سودی نظام سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ حکومتِ پاکستان اسلامی بینکاری کے فروغ کیلئے پچھلے تین سالوں سے کافی کوششیں کررہی ہے اور اس سلسلے میں کافی تیزی سے کام ہورہا ہے۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے اسلامک بینکنگ برانچز کی دیکھ بھال کیلئے آیا کہ بینک شرعی اصولوں کے مطابق بینکنگ کررہے ہیں یا نہیں شریعہ ایڈوائزر کے تقرر کو لازمی قرار دیا ہے۔ عوام الناس کو چاہئے کہ اگر بینک اسلامی طریقے کے مطابق کام کررہا ہو تو ایسے بینک کے ساتھ تعاون کریں اور سودی نظام کو ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ اگر کوئی شرعی نکتہ نگاہ سے خرابی آرہی ہو تو پھر اس سے اجتناب و احتراز کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال ......ایک شخص بطورِ قرض ایک گاڑی دیتا ہے جس کی قیمت مارکیٹ کے حساب سے تین لاکھ روپے ہے اور بطور قرض اس رقم کی قسطیں باندھتا ہے اور اس گاڑی کی رقم چار لاکھ وصول کرتا ہے۔ آیا یہ لین دین اسلامی اعتبار سے کیا حیثیت رکھتا ہے؟

جواب......فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ نقد اور ادھار کی قیمتوں میں فرق کرنا جائز ہے اور اس طرح بیع کرنا کہ یہ چیز نقد دس روپے کی ہے اور ادھار پندرہ روپے کی، یہ جائز ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں قسطوں پر سامان لینا جائز ہے اور قسطوں کی صورت میں جو زیادہ پیسہ دیا جاتا ہے یہ سود نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال ......اجارہ سے کیا مراد ہے؟ اس کے احکام اور مسائل کی وضاحت فرمادیئے۔

جواب......کسی شے کے نفع کا عوض کے مقابل کسی شخص کو مالک کر دینا اجارہ ہے۔ مزدوری پر کام کرنا اور ٹھیکہ اور کرایہ اور نوکری یہ اجارہ ہی کے اقسام ہیں۔ مالک کو آجر، موجر اور مواجر اور کرایہ دار کو متاجر اور اجرت پر کام کرنے والے کو اجیر کہتے ہیں۔ اجارہ کے ارکان ایجاب وقبول ہیں، خواہ لفظ اجارہ ہی سے ہوں یا دوسرے لفظ سے، لفظ عاریت سے بھی اجارہ منعقد ہوسکتا ہے۔ مثلاً یہ کہا میں نے اس مکان کے نفع کو اتنے کے بدلے میں تم کو ہبہ کیا، اجارہ ہوجائے گا۔ (بحر)

منفعت کی مقدار کا علم مدت بیان کرنے سے ہوتا ہے مثلاً پانچ روپے میں ایک مہینے کیلئے مکان کرایہ پر لیا، ایک سال کیلئے کھیت اجارہ پر لیا۔ یہ اختیار ہے کہ جس مدت کیلئے اجارہ ہو وہ قلیل مدت ہو مثلاً ایک گھنٹہ یا ایک دن یا طویل دس برس پچاس برس اگر اتنی مدت کیلئے اجارہ ہو کہ عادۃً اتنے دِنوں تک زندگی متوقع نہ ہو جب بھی اجارہ دُرست ہے۔ اجارہ میں اُجرت محض عقد سے ملک میں داخل نہیں ہوتی یعنی عقد کرتے ہی اجرت کا مطالبہ دُرست نہیں یعنی فوراً اُجرت دینا واجب نہیں۔ اجرت ملک میں آنے کی چند صورتیں ہیں اس نے پہلے سے ہی عقد کرتے ہی اجرت دے دی۔ دوسرا اس کا مالک ہوگیا یعنی واپس لینے کا اس کو حق نہیں ہے یا پیشگی لینا شرط کرلیا ہو اب اجرت کا مطالبہ پہلے ہی سے دُرست ہے یا منفعت کو حاصل کرلیا مثلاً مکان تھا اس میں مقررہ مدت تک رہ لیا یا کپڑا درزی کو سینے کیلئے دیا تھا اس نے سی دیا وہ چیز مستاجر کو سپرد کردی کہ اگر وہ منفعت حاصل کرنا چاہے کرسکتا ہے نہ کرے یہ اس کا فعل ہے۔ مثلاً مکان پر قبضہ دے دیا یا اجیر نے اپنے نفس کو تسلیم کردیا کہ میں حاضر ہوں، کام کیلئے تیار ہوں، کام نہ لیا جائے جب بھی اُجرت کا مستحق ہے، منفعت حاصل کرنے پر قادر ہونے سے اجرت واجب ہوجاتی ہے۔ اگرچہ منفعت حاصل نہ کی ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً مکان کرایہ دار کو سپرد کردیا جائے اس طرح کہ مالک مکان کے متاع وسامان سے خالی ہو اور اس میں رہنے سے کوئی مانع نہ ہو اس کی جانب سے نہ اجنبی کی جانب سے اس صورت میں اگر وہ نہ رہے اور بیکار مکان کو خالی چھوڑ دے تو اجرت واجب ہوگی۔ لہٰذا اگر مکان سپرد ہی نہ کیا یا سپرد کیا مگر اس میں خود مالک مکان کا سامان واسباب ہے یا مدت کے گزر جانے کے بعد سپرد کیا یا مدت ہی میں سپرد کیا مگر اسے کوئی عذر ہے یا اس کو عذر بھی نہیں مگر حکومت کی جانب سے رہنے کی ممانعت ہے یا غاصب نے اسے غصب کرلیا وہ اجارہ ہی فاسد ہے۔ ان سب صورتوں میں مالک مکان اجرت کا مستحق نہیں۔ جانور کو کرایہ پر لیا اس میں بھی یہ صورتیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال ...... بانڈ جائز ہیں یا نہیں؟ اور بلیک میں یعنی بینک کی تاریخ ختم ہونے کے بعد بینک کے باہر موجود افراد سے پانچ یا دس روپے زیادہ دیکر خریدنا کیسا ہے؟ اور ان کا اِنعام کیسا ہے؟

جواب ...... انعامی بانڈ کو خریدنا اور اس پر انعام لینا جائز ہے۔ شریعت نے حرام مال کی صورتیں مقرر کی ہیں، وہ یہ ہیں: کسی کا مال چوری، غصب، ڈکیتی وغیرہ کسی طرح لیا جائے...... جوئے میں مال لیا جائے...... سود میں لیا جائے...... رِشوت میں لیا جائے...... بیع باطل میں قیمت لی جائے، جبکہ پرائز بانڈ میں ان میں سے کوئی صورت نہیں اس لئے کہ جوئے میں اپنا مال چلا جاتا ہے یا زائد مال مل جاتا ہے، پرائز بانڈ میں یہ بات نہیں۔ سود کی تعریف ہے، الزیادة المشروطة فی العقد یعنی قرض دیتے وقت یہ شرط کرنا کہ زیادہ لوٹا کر دے گا۔ پرائز بانڈ میں ایسی کوئی شرط نہیں۔ کوئی بھی انعامی بانڈ زائد قیمت دے کر خریدنا یا بیچنا قانوناً جرم ہے چنانچہ یہ شرعاً بھی ناجائز ہے کہ گرفتار ہونے کی صورت میں یا جھوٹ بولے گا یا رِشوت دے گا یا اسکی ہتک عزت ہوگی اور یہ باتیں شرعاً ناجائز ہیں۔

البتہ بلیک میں حاصل کیے ہوئے بانڈ کا انعام جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال ۱ ......اگر کسی شخص کی کمائی ناجائز ہو اور مرنے کے بعد وہ اپنا پیسہ اپنے ورثاء کے نام کردے تو کیا اس کے ورثاء کیلئے وہ پیسہ جائز ہوگا یا نہیں؟

سوال ۲ ......اگر اس کی کل آمدنی حرام ہو یا اس کی آمدنی کا کچھ حصہ جائز اور کچھ ناجائز ہو تو کیا شرعاً حکم ہے؟

جواب......اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو۔

اللہ عزّ وجل ارشاد فرماتا ہے،

یاایھا الذین اٰمنو لا تاکلوا اموالك بینکم بالباطل الا ان تکون تجارة

عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللّٰه کان بکم رحیما

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال بلاوجہ شرعی نہ کھاؤ، ہاں تجارت میں آپس میں رضا سے

نفع اُٹھانے کی ممانعت نہیں اور اپنی جانیں ہلاکت میں نہ ڈالو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔

علماء نے یہاں پر فرمایا کہ مال حرام فقیر کو دے کر ثواب کی اُمید رکھنا کفر ہے اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ اس نے مالِ حرام دیا ہے اور اس کیلئے دعا کرے اور وہ آمین کہے تو دونوں نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اور تجدیدِ نکاح کریں۔

چنانچہ محیط وعالمگیریہ وغیرہ میں ہے، تصدق علی فقیر شیئاً من مال الحرام و یرجوا الثواب یکفر و علم الفقیر و دعا له و امن المعطی کفر۔

جس کے پاس مال حرام ہے اس کیلئے شریعت کا حکم یہ ہے کہ جس سے لیا ہے اسے واپس کردے وہ نہ رہا تو اس کے وارثوں کو دے اور وارثوں کا بھی پتا نہ چلے تو فقراء پر تصدق کرے یہ اس لئے کہ مالِ حرام اور خبیث میں اسے تصرف کرنا حرام ہے اگر اپنے خرچ میں لائے گا تو حرام ہے اور حرام کھا رہا ہے اس کی توبہ جھوٹی ہے۔

لانه لم یندم علی الماضی ولا ترك فی الاتی و لم یمع الباقی فلم یوجد من ارکان التوبه۔

وارث کو اگر معلوم ہو کہ اس کے مورث نے فلاں فلاں شخص سے اتنا مال حرام لیا ہے تو انہیں پہنچادے اور اگر سب معلوم نہ ہو کہ بعینہ یہ روپیہ جو اس صندوق یا اس تھیلی میں ہے خالص حرام کا ہے اور جن سے لیا وہ بھی معلوم نہیں تو وارث کیلئے جائز ہے لیکن بچنا افضل ہے۔

درمختار میں ہے، الحرمة تنتقل مع العلم بها الا فی حق الوارث و قیدها فی الظهیریة بان لا یعلم ارباب الاموال۔

ردالمحتار میں ہے، الحاصل انه علم ارباب الاموال وجب رده علیهم والافان علم عین الحرام لا یحل له و یتصدق بنیه صاحبه و ان کان ماله مختلطاً مجتمعان من الحرام ولا یعلم اربابه ولا شیئاً منه بعینه حل له حکما والاحسن دیانه التنزه عنه۔

نیز درمختار میں ہے، ولا یبطل حق الفسخ (ای البیع الفاسد) بموت احدهما (ای احد العاقدین) فیخلفه الوارث به یفتی له اقول فا فادان انتقال الملك فی الملك الخبیث لا یزل الخبیث و یجب علی الوارث فسخه فان لم یفعل اجبر القاضی۔

(فتاویٰ رضویہ، ج۷ص۱۱۹) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال ......ایک شخص نے قرض لیا اور واپسی کے وقت قرض دار قرض کے ساتھ کچھ اضافی رقم یا گھڑی وغیرہ دے تو آیا یہ سود میں شمار ہوگا یا نہیں؟

جواب......قرض دار قرض کی ادائیگی کے وقت احسان کے بدلے کے طور پر کچھ اضافی رقم یا کوئی شئی قرض دینے والے کو دے تو یہ زیادتی سود میں شمار نہیں ہوگی جبکہ زیادہ دینا نہ تو لفظوں میں ذِکر کیا گیا ہو اور نہ عادۃً ہو بلکہ یہ صرف ایک قسم کا احسان و کرم و مروت ہے اور مستحب ہے بلکہ سنت سے ثابت ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں یہ حدیث موجود ہے کہ

عن جابر بن عبداللّٰہ الانصاری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما قال اتیت النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم وکان لی علی دین فقضانی وزادنی (صحیح البخاری کتاب الستقراض باب حسن القضاء۔ قدیمی کتب خانہ، ج ۱ ص ۳۲۲)

سیّدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا میرا آپ پر کچھ قرض تھا آپ نے وہ ادا فرما دیا اور کچھ زیادہ بھی مجھے عنایت فرمایا۔

اسی حدیث کی بناء پر سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال کان لرجل علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم سن من الابل فجاءہ یتقاضاہ فقال اعطوہ فطلبوا سنہ فلم یجدولہ الا سنا فوقھا فقال اعطوہ فقال اوفینی اوفاك اللّٰہ فقال النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم لو زان زن وار جح رواہ احمد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص کا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک عمر کا اونٹ قرض تھا وہ شخص خدمتِ اقدس میں آیا اور قرض کا تقاضا کرنے لگا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کو اونٹ دے دو، تلاش کرنے پر اس کے اونٹ جیسا کوئی اونٹ نہ ملا، البتہ اس سے بہتر عمر کا اونٹ ملا۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہا یہ اونٹ اس شخص کو دے دو۔ اس شخص نے کہا آپ نے مجھے بھرپور عطا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو بھرپور عطا فرمائے۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرض کی ادائیگی میں تم سے بہتر ہو اور اس حدیث کی وجہ سے جس میں نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وزن کرنے والے سے فرمایا کہ وزن کرو اور ترازو کو جھکاؤ (یعنی قدرے زیادہ دو)۔

اس حدیث کو امام احمد، سنن اربعہ، ابن حبان اور حاکم نے سوید بن قیس عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جو زیادہ بغیر کسی پیشگی معاہدہ کے قرض دار کی طرف سے مقرض کو دی جائے وہ سود نہیں ہے بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب